سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تاسیسِ احرار اور اُس کا پس منظر

دینی عقائد، افکار اور تصورات سے محروم لوگ جب اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہیں تو اُن کے سامنے نہ تو کوئی شخصی معیار ہوتا ہے اور نہ ہی فکری اساس و روایت بلکہ وہ اپنے معروضی حالات کے پیش نظر ذاتی جستجو اور انفرادی عقل کو اجتماعی شعور میں متشکل کرتے اور جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں' ایسے افراد ہر قوم و ملک کی تاریخ کا حصہ ہیں لیکن دینِ اسلام کے نزول اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد یہ تصور ہمیشہ کے لیے باطل قرار دیا گیا۔خصوصاً آپ ﷺ کی ۲۳ برس کی زبردست دینی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں ایک ایسے معاشرے کا قیام کہ جس کو اللہ نے متقون، مفلحون، راشدون اور فائزون کے محترم ناموں سے یاد کیا ہو اور جن پر رضی اللہ عنہم کی رداءِ رضا ڈال دی ہو......یعنی اللہ کا پسندیدہ دین اپنی تمام مادی اور روحانی صفات سمیت انسانی سماج کی صورت میں عروج پر پہنچ چکا ہو'اس کے بعد کوئی سی انفرادی فکر اور کوئی دوسرا شخصی معیار قائم کرنے کی دھن یقیناً جہالت ہے۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ سیاسی و اجتماعی تاریخ پر گہری نظر ڈالنے سے یہ بات مزید واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں پر جب بھی زوال آیا' اس کا سبب یہی انفرادی فکر اور ذاتی تشخص کا روگ ہے۔اس سلسلہ میں سب سے پہلا حادثہ بنوعباس اور فاطمین کی آویزش ہے' جس نے صدیوں تک امتِ مسلمہ کو اجتماعیت سے محروم رکھا۔ان کے عہد میں عجمی سازش فکری گمراہیوں اور عملی بدکاریوں کی صورت میں عروج پر تھی۔اس کی بنیادی وجہ یہودیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی وہ ذلت آمیز شکست تھی جس سے ان کی صدیوں پرانی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا تھا اور انہیں دینی حکومتوں کا باج گزار ہو کر رہنا پڑا تھا ......اس میدانی شکست کا انتقام انہوں نے اپنی فکری سازش اور ثقافتی لذتیت کی آمیزش سے کیا۔وہ مسلمان جو عہدِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے بہت دور نکل گئے تھے' وہ لذتیت کی کلچرل دلدل میں اس بری طرح دھنس گئے تھے کہ اس سے ان کا نکلنا ممکن نہ رہا تھا اور وہ عجمی سازش کے مرگھٹ پر قتل کر دیئے گئے اور دینی تہذیب بھی انہی کے ساتھ منتشر ہو کر رہ گئی تھی۔عبدالرحمٰن الدّاخل بنوامیہ کے فرزندِ جلیل نے جب اُندلس میں مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کا احیاء کیا تو اس کے اثرات دوبارہ بلادِ اسلامیہ میں پھیلے اور اصلاح کی تحریکوں نے جنم لیا لیکن ان مصلحین رحمہم اللہ کی تحریکوں کی بنیاد ان کے تشخص یا تفرد پر نہ تھی بلکہ وہ سنتِ رسول ﷺ کے احیاء کے محرک و مجدد بن کر میدانِ عمل میں بڑھے اور انہوں نے ایک مرتبہ پھر ایرانی، یونانی، رومی اور یہودی کلچر کو زبردست شکست دی...... ہندوستان کی سرزمین میں بھی اسی سے ملتا جلتا تجربہ ہوا۔محمد بن قاسم ثقفی مرحوم و مغفور سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک مسلمان کسی نہ کسی اعتبار سے ہندوستان کی اجتماعی سیاست و حکومت

پر قابض ہے۔ مسلمانوں کے اس قبضہ وتسلط کی وجہ سے جو قوم سب سے زیادہ خسارہ وذلت میں آئی، وہ ہندوستان کا برہمن تھا ۔ برہمنوں کے مملوک کھشتری، ویش اور شودر دھڑا دھڑ مسلمان ہوئے مگر برہمن آخر وقت تک دین کے اقتدار کو قبول کرنے سے گریزپا اور مفرور رہا اور بالکل ایرانیوں اور یہودیوں کی طرح دین کی فکری اساس قرآن وسنت میں تحریف وترمیم کی سازش میں مصروف ہو گیا۔ اور اپنی میدانی شکست کے انتقام کے لیے فکری پگڈنڈیوں کی تاریک راہوں پر چلتا ہوا ہمایوں کے دور میں نمایاں ہوا۔ سوء اتفاق کہ ہمایوں کو اپنی انفرادی طاقت بحال رکھنے کے لیے ایران سے بھیک مانگنا پڑی، یوں ہندوستان کے برہمن اور ایران کے آتش پرست ہمایوں کی فکری آوارگی کو مستند بنانے میں متحد ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں مسلم ہندوستان کے مغل حکمران باہم دست وگریبان ہوئے اور انتشار وافتراق کا بغدادی تجربہ ہندوستان میں دہرایا گیا۔

یہود ونصاریٰ دو ایسی خبیث قومیں ہیں، جن کی خباثتوں اور اجتماعی بدعنوانیوں کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ (سورۃ ممتحنہ: پارہ ۲۸۔ سورۃ مائدہ: پ ۶ آیت ۵۱) جو قومیں اللہ کی دشمن ہوں، وہ اللہ کی مخلوق کی کیسے دوست ہو سکتی ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں وہ اپنے انتقام کو آخری شکل دینے میں مصروف تھیں اور ہندوستان پر ان کی زبردست نگاہ تھی کیونکہ ہندوستان فطری خزانوں سے معمور سرزمین تھی اور ان دونوں دشمنوں کو یہ کب گوارا تھا کہ ہندوستان اور عرب کا مسلمان اس نعمت سے تنہا فائدہ اٹھائے اور اقتصادی ومعاشی طور پر مستحکم تر ہوتا چلا جائے اور انہیں مسلمانوں کا زیردست ہونا پڑ جائے۔ چنانچہ سولہویں صدی میں فرنگی، شاہجہان کے دربار میں مہمان ہوا اور قربِ شاہ میں کرسی نشین ہو گیا۔ تجارت ومعیشت کے راستے سے اس نے ہندوؤں اور ایرانیوں کو دوستی کے شیشے میں اتار لیا۔ اب مسلمانوں کے تین دشمن تاریکیاں عام کرنے کے لیے متحد ہو گئے...... مگر اللہ کی تدبیر انسانی فکر پر ہمیشہ غالب رہی ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (۱۵۶۳ء۔۱۶۲۴ء) نے قرآن وسنت کے احیاء کی تحریک کا آغاز کر دیا اور اس کے لیے مجدد صاحب نے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ بعض اعیانِ سلطنت اور امراء حکومت، جہاں گیر کی حکومت میں مجدد صاحب کی اطاعت پر کمربستہ ہو گئے ۔ ہندو برہمن، ایرانی روافض اور فرنگی تاجر کی ملی بھگت سے مجدد صاحب جہاں گیر کے عتاب کا شکار ہو گئے، پابہ جولاں دربار میں بھی پیش کئے گئے اور جیل بھجوا دیئے گئے۔

مجدد صاحب کے معتقدین اور متوسلین بھی عتابِ شاہی کی زد میں آئے اور تحریکِ مجدد کا شیرازہ ظلم وجور سے بکھیر دیا۔ ایرانی دھرم کے شاہی کارندوں نے جہاں گیر کے گرد کچھ اس طرح اپنا ثقافتی جال بچھایا کہ نور جہاں جو فی الحقیقت ظلمت جہاں تھی، جہاں گیر کے جسم وروح پر حاوی ہو گئی اور نور اللہ شوستری دربار میں حاوی ہو گیا۔ نور اللہ شوستری ایرانی دھرم کا سب سے بڑا سیاسی مہرہ تھا جو نور جہاں کی روح میں پیوست تھا۔ نور جہاں اس کے لیے وہ سب کچھ کر گزرتی جو حسن بن صباح کی ایرانی دیویاں کر گزرتی تھیں۔ حضرت مجدد صاحب نور اللہ مرقدہ کے علم میں یہ بات تھی، وہ اس کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ جہاں گیر کے دربار میں جہاں نور اللہ شوستری کی ظلمت کا غلبہ تھا، وہاں ابھی حضرت مجدد صاحب کے ایک دو متوسل

موجود تھے۔ایک روز دربار میں یہ بحث چل نکلی کہ اہل سنت والجماعت کے اسلاف کے بارے میں روافض کے تصورات نہایت غلیظ ہیں۔جہاں گیر نے بنفس نفیس مداخلت کر کے اس کو رد کیا لیکن اس مردِ حق نے نہایت حلم وحکمت سے کام لیتے ہوئے جہاں گیر سے کہا کہ نوراللہ سے پوچھئے کہ یہ ابوبکرؓ،عمرؓ کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے۔اس نے کہا کہ قرآن پاک میں جبت اور طاغوت انہی کو کہا گیا ہے۔دربار پر سناٹا چھا گیا مگر جہاں گیر ٹس سے مس نہ ہوا۔ان صاحب نے کہا کہ اس سے پوچھو کہ حضرت سلیم چشتیؒ کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟ شوستری سے پوچھا گیا تو اس نے بے دھڑک کہہ دیا کہ ''مرد آبلہ بودٗ'' ایک بے وقوف آدمی تھا۔جہاں گیر سنتے ہی سیخ پا ہو گیا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا ''زبانش برکنند'' اس کی زبان گدی سے کھینچ لو۔چنانچہ ''مجددی کارکنوں'' نے اس موقع کو غنیمت شمار کیا اور اس کی زبان کھینچ لی۔نورجہاں تڑپ کر باہر نکل آئی مگر قضا کا وار مکمل ہو چکا تھا۔مجدد صاحب ریاست میں عملی انقلاب تو برپا نہ کر سکے لیکن فکری اصلاح اور روحانی انقلاب مکمل کر گئے۔

ہندوستانی مسلمان عقیدہ وعمل کے اس سانچے میں پھر سے ڈھلنے لگا جو سنتِ رسول ﷺ کی اتباع پر مبنی تھا۔یہی وہ موروثی اساس تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کو فطرت اور ماحول دونوں نے ودیعت کی تھی۔حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ شاہ ولی اللہ کو بھی اس طرح چوکھیا جنگ کرنا پڑی جس طرح حضرت مجدد صاحب نے لڑی تھی۔یعنی ہندوازم،ایرانی دہرم اور فرنگیت یہ تینوں فکر وعمل کی وادی میں مسلسل للکار رہے تھے۔اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ہی پھر اللہ نے ہندوستانی مسلمان کا قبلہ درست رکھنے کے لیے شاہ صاحب کی صورت میں ایک ادارہ بخش دیا۔شاہ صاحب نے اپنے ماورائی علم وفکر سے ایک قدم آگے بڑھایا اور احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تا کہ اُن دشمنوں کی سازشوں سے سر اٹھانے والے جاٹ ،مرہٹے،سکھ میدانِ جنگ میں شکست کھائیں اور فکری میدان میں تو ہندومت اور رافضیت کو شاہ صاحب اڑنگے پر لا کر پٹخ چکے تھے۔ان میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ امت کو فکری گمراہیوں کے مدفن پر لا کر اغواء کر لیں۔شاہ صاحب نے جہاں موروثی عقائد واعمال کو سنتِ نبوی کے نور سے منور ومربوط کیا۔وہاں اسلام کی معیشی اساس سے بھی اہل اسلام کو روشناس کرایا اور مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کے رخ سے دبیز تہیں ہٹائیں۔قومی شعور بخشا اور اسلام کو ''ملاوٹوں'' سے پاک کیا۔شاہ صاحب کا یہ کارنامہ آج تک اپنی امتیازی شان کے ساتھ امت کو دعوتِ فکر دے رہا ہے۔

فطرت کی حسنِ ترتیب ملاحظہ ہو کہ جیسے جیسے ملی تقاضوں کا زور بڑھتا گیا' ویسے ویسے اللہ پاک نے اپنے چنے ہوئے بندے پیدا فرما کے امت کی ہچکولے کھاتی کشتی کو کھیون ہارے عطاء کئے۔شاہ ولی اللہ کی محنت کا ثمر اقتدار کی صورت میں تو نہ ملا لیکن امن ضرور قائم ہوا اور مسلمان نشاۃِ ثانیہ کے لیے سرگرم عمل ہوئے۔شاہ صاحب کے اپنے خاندان اور حلقۂ درس میں تیار ہونے والے فکری ستون قائم ہوئے جنہوں نے تنہا امتوں کا کام کیا۔شاہ عبدالعزیز،شاہ رفیع الدین،شاہ محمد اسحٰق،شاہ اسماعیل شہید،مفتی صدرالدین،مفتی الٰہی بخش،مولانا عبدالحئی،مولانا فضل حق خیرآبادی یہ تمام بزرگ شاہ ولی

اللہ کی وفات سے قبل ولادت پا چکے تھے۔ اکثر نے شاہ صاحب کا زمانہ پایا اور شاہ صاحب کی فکری تعلیم سے اثر پذیر ہوئے اور بعد میں شاہ عبدالعزیز نے ان کی فکرِ راست کو صیقل کر دیا۔ اور ان سب پر حضرت سید احمد بریلوی قدس سرہ کو امیر مقرر فرمایا اور پورے ہندوستان میں حضرت مجدّد صاحب اور شاہ ولی اللہ کی محنت کا ثمر سید احمد کے گرد مجتمع ہو گیا۔ سید صاحب نے صحابہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امتِ مسلمہ کو نشاۃِ ثانیہ کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کیا اور سب سے پہلے جس طبقہ خبیثہ کے قلع قمع کرنے کا فیصلہ فرمایا وہ سکھ تھے۔ اس فیصلہ کی وجود واضح تھی کہ مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں، رافضیوں اور انگریزوں کی ملی بھگت سے سکھ سامنے آیا اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ لہٰذا سب سے پہلے اسی دشمن سے نمٹنا از حد ضروری تھا۔ شاہ صاحب نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا لیکن سرداری کے بھوکے پٹھانوں نے سکھوں سے مال کھا کر سید صاحب کی تحریکِ جہاد اسلامی کو بالاکوٹ میں پیوند خاک کر دیا۔ مئی ۱۸۳۱ء کے اس خونی حادثہ سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کا عہد انگریز کی وفاداری کے حصول کا زمانہ ہے فرنگی نے نہایت مکاری سے رافضی نوابوں اور ہندو راجوں کو عہدوں جاگیروں اور باہمی اعانت سے رام کیا، پٹھانوں کو مال دے کر سکھوں سے توڑا۔ جب سکھ اور مسلمان دونوں طاقتیں بے جان ہو گئیں تو اس نے دونوں سے اقتدار اور اجتماعی طاقت چھین کر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلم راج کا خاتمہ کر دیا۔

مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کو پارہ پارہ کرنے کے بعد فرنگی نے مذہبی طبقاتی کشمکش کی بنیاد رکھی۔ مسلمان جو فی الحقیقت مر چکا تھا مگر اپنی بقا کی جنگ میں کسی نہ کسی طرح مصروف تھا وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے گرد جمع ہو گیا۔ پٹھانوں میں کچھ حرّیت پسند پیدا ہوئے وہ بھی اپنی ارادت کا کشکول لیے اسی حلقہ میں آئے۔ ان بہادر بزرگوں نے چند ایک جنگی معرکے سر کئے لیکن بالآخر طاقت کے سامنے سُپر انداز ہو گئے اور پھر سے مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ رحمہا اللہ کے نقش کو لائحہ عمل بنا کر مدارس کے نظام کو قائم کیا تاکہ علمی و فکری اجتماعیّت پیدا کی جائے۔ اس میں ان بزرگوں کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور ہندوستان کو پھر سے ایک شخصیت مل گئی، مولانا محمود حسن اموی رحمہ اللہ میدانِ عمل میں آئے اور انہوں نے مسلمانوں کے لیے الگ خطہ زمین اور مسلم حکومت کے قیام کے لیے فکرِ نو کی بنیاد رکھی۔ اس فکری جنگ میں دیوبند میں قائم ہونے والے مدرسہ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جو رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ ہے ''ریشمی رومال کی تحریک'' کا خوفناک تجربہ کیا گیا مگر اپنے نما بیگانوں نے اسے سبوتاژ کیا اور تحریک مر گئی۔ مولانا محمود حسن ۱۹۲۱ء میں انتقال کر گئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد ۶۵ برس کے عرصہ میں فرنگی، مذہبی طبقاتی کشمکش کو عروج پر لے جا چکا تھا۔ اُدھر مرزا غلام احمد قادیانی اپنے جھوٹے دعوؤں کی بنیاد پر مہدویت سے لے کر نبوت و رسالت تک کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ ہندوستان میں ایک مضبوط مالدار اور سرکارِ برطانیہ کا وفادار خطاب یافتہ طبقہ غلام احمد کو نبی مان چکا تھا۔ ہندوستان کے جاگیردار اور سرمایہ دار پہلی جنگ عظیم میں گورنمنٹ برطانیہ کو دو کروڑ روپے چندہ دے کر خود کو مزید مہربانیوں کا مستحق ثابت کر چکے تھے اور غلام احمد قادیانی ان سب کا سرخیل تھا۔ اس خاندان کی سرگرمیاں ۱۸۲۸ء سے لے کر اب تک فرنگی اور سکھوں سے وفاداری پر

مشتمل تھیں اوراب مسلمانوں کو بالکل انوکھے دشمن کا سامنا تھا یہ ایسا دشمن تھا جس نے عیسائیوں سے مناظرے کر کے بے خبر مسلمانوں حتیٰ کہ بعض علماء کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا اور در پردہ سیاسی وفاداریوں اور مجاہدین کی مخبری سے فرنگی حکومت سے تحفظات بھی حاصل کرتا رہا اور تبلیغ اسلام کے نام پر ٹوڈی اور ٹاؤٹ مسلمان جاگیرداروں سے مال بھی بٹورتا رہا۔

مجلس احرار اسلام کا قیام:

شیخ الہند مولانا محمود حسن اُموی کی وفات کے قریب پنجاب میں تحریک خلافت کی تگ وتاز میں چند پنجابی ایسے ابھرے جنھوں نے فرنگی استعماری حربوں کا بغور جائزہ لیا اور سابقہ تحریکوں کو ناکام کرنے والے عناصر کی پہچان بھی حاصل کی۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حبیب الرحمٰن لدھیانوی، سید محمد داؤد غزنوی، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، مظہر علی اظہر، ماسٹر تاج الدین انصاری انتہائی اہم شخصیات ہیں۔ اللہ کی حکمت نے اس سب کو فکری وحدت میں پرو رکھا تھا۔ تحریکِ خلافت ۱۹۲۱ء میں انہیں عملی یگانگت میں بھی مجتمع کر دیا۔ یہ سب بزرگ ۱۹۲۱ء میں جیلوں کی زندگی میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے، افہام وتفہیم کے مواقع میسر آئے اور ہندوؤں رافضیوں، انگریز کے ٹوڈیوں اور مرزائی گماشتوں پر گفتگو اور بحث وتمحیص کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی اجتماعی جدوجہد کوالگ سے شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر شاہ ولی اللہ کی فراہم کی ہوئی بنیادوں کو ترجیح دیتے ہوئے آگے بڑھے اور دسمبر ۱۹۲۹ء میں پہلی غیر رسمی میٹنگ میں مسائل پر اجتماعی گفتگو کی اور طے پایا کہ ''مجلس احرار اسلام'' کے نام سے جدوجہدِ آزادی کی جنگ لڑی جائے۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مدرسہ نصرۃ الحق امرتسر میں حضرت مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ اور حضرت مفتی محمد حسنؒ کے پاس پڑھتے تھے۔ جہاں انہوں نے موقوف علیہ تک کتابیں پڑھیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا داؤد غزنوی رحمہا اللہ سے مستفید ہوئے۔ مولانا ظفر علی خان کا ''ستارہ صبح'' زیرنگاہ آیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ''الہلال'' سے فکری استواری حاصل کی، جلیانوالہ باغ کے خونی حادثہ اور ترکوں پر انگریزوں کے مظالم نے برانگیختہ کیا اور آپ مدرسہ ومسجد کے دائرہ سے نکل کر اجتماعی جدوجہد کی پرخار وادی میں اتر گئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغ حاصل کی، شیخ الہند مولانا محمود حسن اُموی اور ان کی جمعیت الانصار کی باقیات صالحات سے متاثر ہوئے، استفادہ کیا اور اسی خارزار جدوجہد کو اپنے لیے منتخب کیا۔ شیخ حسام الدین نے بی اے کیا اور جلیانوالہ باغ میں ظلم، جور وجفا اور قتل وغارت گری نے فرنگی استعمار کے خلاف انتظامی جذبوں کو ابھارا۔ تحریکِ خلافت کے زعماء کرام نے ان جذبوں کی سمت درست کی اور شیخ صاحب بھی مضبوط قدم اٹھاتے ہوئے انہی لوگوں کی حکمت عملی میں شریک ہوگئے۔ چودھری افضل حق نے ایف اے کیا۔ پولیس میں بھرتی ہوئے مگر صدق وکذب اور حق وباطل کی ٹھن گئی۔ برطانوی ہند میں ٹوڈیوں اور پولیس کے مشترکہ مظالم آنکھوں سے دیکھے اور اہل حق کی مظلومیت دیکھی نہ گئی تو جس حق پرست گروپ کو کانگریسی ہندوؤں نے ''پنجابی ٹولی'' کہہ کر

بدنام کر رکھا تھا' یہ بھی انہیں سے آملے۔ یہ لوگ اپنے دائرہ میں اہل علم اور اپنے ہم عصروں میں صاحب تقویٰ بھی تھے ان کے پاس دولتِ دنیا تو یقیناً نہ تھی مگر دولتِ دین سے مالا مال اور ایثار وقربانی کے غیر فانی جذبوں سے سرشار تھے۔ یہی وہ طاقت تھی جس نے ان سچوں اور بہادروں کو ایک سلکِ مروارید میں پرودیا اور یہ ہندوستانی نمرودوں کی دہکائی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑے۔ ان کی صداقتوں، وفاؤں اور صدق وصفا پر کسی کی سند کی ہرگز ضرورت ہی نہیں۔ جو لوگ خود انگریزوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز رہے اور ہندوؤں سے وفا کی بھیک مانگتے رہے اور مرزائیوں کی پشت پناہی پر کمر بستہ رہے وہ اگر ان حق پرستوں کو برا کہیں تو انہیں حق حاصل ہے کیونکہ احرار کے ان بزرگوں نے انگریز سے وفاداریوں کے قلعوں پر تابڑ توڑ حملے کر کے نہ صرف ان کی فصیلوں میں دراڑیں ڈالیں بلکہ انہیں کو چہ و بازار میں لا کھڑا کر کے مجبور کر دیا کہ وہ محلاتی سازشوں کا جال نہ بن سکیں۔ سر سکندر حیات، سر فضل حسین، سر شفیع، سر فضل علی، ٹوانے، دولتانے اور نون وغیرہ احرار کارکنوں کے سامنے بارہا مجبور ہوئے۔ احرار بزرگوں کی ساری کمائی پنجاب کی تیسری کلاس کے لوگ تھے جو جاگیرداروں، سیٹھوں اور ٹوڈیوں کی ستم رانیوں اور استبدادی رویوں کے پسے ہوئے تھے۔ یہ مسلمان نہ تو مسلم لیگ میں ''بچ'' سکتے تھے اور نہ کانگریس میں' کیونکہ کانگریس پر ہندو سرمایہ دار اور انگریز کے ایجنٹوں کا قبضہ وتصرف اور مسلم لیگ پر رافضی جاگیرداروں، انگریزوں کے خطاب یافتہ سروں، خان بہادروں اور مرزائیوں کا تسلط تھا۔ جو لوگ لیگ اور کانگریس کو مذہبی نسبتوں سے ماورا سمجھتے' لکھتے اور باور کراتے ہیں اس کو ان کی ذاتی رائے سمجھتا ہوں مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اس مختصر مضمون میں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں اس لیے چند شخصیتوں اور چند واقعات کا صرف ذکر کرتا ہوں جن کی موجودگی میں احرار' لیگ یا کانگریس کے ساتھ نہ چل سکے۔ ضلع جھنگ کے سادات، ملتان کے سادات، سادات بارہ، راجہ صاحب محمود آباد، مظفر علی قزلباش، سر ظفر اللہ خان (قادیانی) ان لوگوں نے ہمیشہ اکابرِ احرار کو مقدمات میں جکڑا۔ جھوٹی گواہیاں دلوائیں۔ احرار کارکنوں کو ہراساں کیا، علاقہ بدر کیا اور انہیں متعصب مسلمان کہہ کر ان کی بھرپور مخالفت کی اور ان کے خلاف نفرتوں کی اونچی دیواریں تعمیر کیں۔ کانگریس کے مشرک وڈیروں نے احرار کو انتہا پسند مسلمان کہا اور ان کی بھرپور مخالفت کی۔ جمعیت العلماء ہند کی سیاسی کہہ مکرنیاں ان سے گریز ہی کرنے پر مجبور کرتی رہیں اور اپنی منتخب راہ کے حق ہونے کا یقین بڑھاتی رہیں۔

احرارِ وفادار! یہ اقتباس چودھری افضل حق کے ایک خطبہ سے ماخوذ ہے ملاحظہ ہو۔

''محترم جمعیت العلماء کو لو کہ وہ ابتدا میں کانگریس کی امدادی جماعت تھی۔ وہ کانگریس کے فیصلوں پر مذہبی جواز کا فتویٰ دے کر مسلمانوں میں اسے محترم بتاتی تھی مگر ۱۹۲۸ء میں دل برداشتہ ہو کر کانگریس سے الگ ہوئی لیکن آسمان سے گرا کھجور پر اٹکنے کا معاملہ ہوا۔ ایک سرمایہ داری کے نظام سے نکل کر دوسرے سرمایہ دار نظام کو مضبوط کرنے کا باعث ہوئی۔ ایسی قابل عزت جماعت نے نہایت نیک نیتی سے اسلامی حقوق کے تحفظ کے لیے سر آغا خان اور سر محمد شفیع سے مل کر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ان مقدسین نے سرمایہ داری کی گلی سڑی

لاشوں کو مسیحا نفسی سے زندہ کیا اور یہ مرادآبادی مردے زندہ ہو کر برسوں ملت کی بربادی کا باعث بنے رہے۔
مسلم کانفرنس نے نہ خود کچھ کام کیا نہ کرنے دیا پھر اس تلخ تجربے کے بعد جمعیت کو کانگریس کی طرف رجوع کرنا پڑا اور ۱۹۳۳ء کی سول نافرمانی میں پھر کانگریسی امدادی جماعت کے طور پر کام کرنا پڑا مگر جلدی کانگریسی ذہن سے غیر مطمئن ہو کر پھر لیگی سرمایہ داروں کی پشت پناہی کرنا پڑی اور مسٹر جناح کی قیادت قبول کر کے لیگ کے حق میں سخت ترین فتویٰ شائع کیا جس کے باعث کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے والے مسلمانوں کو صاف شکست ہوئی اور لیگ ایک قوت بن گئی۔'' (خطبات احرار، ص ۹۳،۹۴)

اس ملگجے ماحول میں احرار نے اپنے لیے ایک بہت مشکل راستہ اختیار کیا جو نہ تو کانگریس پسند کرتی تھی نہ مسلم لیگ اور نہ جمعیت علماء ہند۔

چودھری افضل حق فرماتے ہیں:

''احرار دونوں جماعتوں کے انتہا پسندوں سے دل تنگ ہیں۔ کانگریس کی ادغام کُلّی اور لیگ کی اجتناب کُلّی کے درمیان مجلس احرار اسلام اعتدال کی سچی اور سیدھی راہ ہے۔ احرار وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے ان تھک ہیں اور ساتھ ہی ایثار و قربانی کی بناء پر اقوامِ ہند بلکہ ساری دنیا کی سرداری کے متمنی ہیں۔ کانگریس جب آزادی کی جنگ چھیڑے ہم مقدمۃ الجیش ہیں جب صلح کرے ہم باندازۂ قربانی حقوق کے طالب ہیں اسی لیے جنگِ آزادی کی شمولیت پر لیگی مسلمان احرار کو کانگریس کی ایک شاخ سمجھتا ہے۔'' (خطبات احرار ص ۲۱)

مجلس احرار اسلام کے قیام کا بنیادی سبب ان دو جماعتوں کی یہی نفرت تھی کہ یہ دونوں نفرتوں کی انتہاؤں پر تھے اور اس کے پس منظر میں ہندوؤں، رافضیوں، ٹوڈیوں اور مرزائیوں کی وہ ملی بھگت تھی جو احرار حریت پسندوں کو کسی طرح قبول نہ کرتی تھی اور احرار اس کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے جس کے لیے نہرو رپورٹ کو راوی میں غرق کرنے کے واقعہ کو بہترین موقع سمجھا گیا اور احرار کے قیام کے لیے اجلاس بلا لیا گیا۔ ان موضوعات پر گفتگوئیں بہت پہلے ہو چکی تھیں۔ خصوصاً ۱۹۲۳ء میں میانوالی جیل سے رہا ہونے کے بعد اکابرِ احرار امرتسر، دلّی اور لدھیانہ میں مل چکے تھے جس کا ذکر حضرت امیر شریعت اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے کئی مرتبہ کیا۔ جمعیت علماء کی سیاسی روش آپ پہلے پڑھ چکے ہیں پھر سب سے اہم بات یہ کہ اکابرِ احرار میں سے دو کے علاوہ باقی بزرگ کانگریس کے ابتدائی رکن بھی نہیں رہے چہ جائیکہ کانگریس کے ترجمان رہے ہوں۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۹ء تک اکابر احرار نے بھرپور جائزہ لیا اور اپنی راہ عمل متعین کی۔ جس سے وسیع اختلاف کی گنجائش موجود ہے مگر ان کی نیک نیتی، اخلاص اور ایثار و قربانی کے بعد ان پر کیچڑ اچھالنا کسی شریف آدمی کا کام نہیں ہے۔

مجلس احرار اسلام اور مسلم لیگ:

احرار اور لیگ کی آویزش اب یادِ ماضی کا درجہ رکھتی ہے لیکن ''یادِ ماضی عذاب ہے یارب'' اور حافظہ چھن جانے کی

دعا کوئی بدنصیب ہی کرے، میں کیوں کروں؟ میرا ماضی تو درخشندہ وتابناک ہے۔ اکابر احرار نے مسلم لیگ کے اکابر سے جو اختلاف کیا اس کا انہیں مکمل حق تھا اور لیگ والوں کو بھی ویسا ہی حق! مگر اس بات کی کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اس اختلاف کو اسلام اور کفر کی جنگ سے تعبیر کرے یا بدزبانی اور شخصی توہین کا ارتکاب کرے۔ خصوصاً جب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے دہلی دروازہ لاہور میں خطاب کرتے ہوئے ۱۹۴۹ء میں اپنی سیاسی رائے کی شکست کا اعتراف کر لیا تھا البتہ یہ بھی ساتھ ہی فرمایا

''میں اب بھی اپنی رائے کو صحیح سمجھتا ہوں یہ الگ بات کہ میری رائے ہار گئی۔''

پھر بھی جو بچھو نسل لوگ پاکستان بن جانے کے ۴۲ برس بعد بھی گڑے مردے اکھاڑنے میں مصروف ہیں اور بکواس کو تاریخ کا نام دے رہے ہیں۔ ان کے جواب اور نئے احرار ساتھیوں کی فکری توانائی کے لیے احرار اور لیگ کے اختلاف کی اصل تصویر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکابر احرار فکری اعتبار سے ایک ایسی اساس کے قائل ہیں کہ انہیں جو بات اس کے خلاف یا اس سے متصادم نظر آتی تھی وہ اس سے بھڑ جاتے تھے اور اس کو بہر نوع غلط قرار دیتے تھے۔

احرار اپنے بارے میں کیا کہتے ہیں:

''وہ باتیں جن میں دنیاوی حبِ جاہ کا فقدان ہے ان دماغوں کو اپیل نہیں کر سکتیں جو بدقسمتی سے قرآن کی حقیقتوں کے قریب نہیں۔ قرآن مجید و حدیثِ رسول ﷺ کی حقیقتیں اور اصطلاحات و مفاہیم جب تک دل کی گہرائیوں سے نہ اتر جائیں اور ان پر کامل دسترس نہ ہو اس وقت تک دینی انقلاب کے مطالب سمجھ میں نہیں آسکتے، دینی اقتدار اور حکومت الٰہیہ کی دعوتِ احرار، دراصل ابراہیمیوں کو ان کی اپنی مرکزیت کی طرف بلانا ہے جس کی خوبصورتی صدیوں کی ہولناک گردشوں کے باوجود شگفتہ و رعنا ہے۔'' (مفاہیم)

احرار، لیگ کے بارے میں کہتے ہیں:

''لیگ کے اربابِ اقتدار جو عیش کی آغوش میں پلے ہیں اسلام جیسے بے خوف دین اور مسلمانوں جیسے مجاہد گروہ کے سردار نہیں ہو سکتے۔ لیگ میں بجز سرمایہ کی کشش کے رکھا ہی کیا ہے۔ قربانی و ایثار سے لیگ کا جیب و داماں بالکل تہی ہے۔ لیگ انگریزی استعمار کے اسیر شکاریوں کی ٹیم ہے۔ اس سے غریب مسلمانوں کی گلو خلاصی ضروری ہے۔ لیگ کے اکابر کے قول و عمل میں اختلاف نہیں تضاد ہے۔ ہمیں ان کے قول سے نہیں، عمل کے سے اختلاف ہے۔'' (مفاہیم)

موجودہ صورتحال:

لیگ کے اکابر کی زندگی یورپین سولائزیشن میں ڈھلی ہوئی تھی جس کا عملاً اسلام سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا اور اب بھی مسلم لیگ اور پی پی پی کی یہی صورت حال ہے۔ ہماری ان کی اچھی باتوں پر جنگ نہیں مثلاً: انسانی فلاح و بہبود،

اقلیتوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے حقوق دینا' پاکستان کے استحکام وترقی کے لیے کوشش کرنا وغیرہ۔لیکن ہمیں تو لیگیوں اور پیپلیوں کے اعمال اور سیاسی رویوں سے اختلاف ہے۔ بات چل نکلی ہے تو دارورسن تک پہنچے، ماضی کے تجربوں کو علماء پھر دہرا رہے ہیں۔لیگ بھی اپنی پرانی جگہ پر ہے اور پی پی' کانگریس کا کلچرل رول ادا کر رہی ہے اور ہم احرار پھر تیسری اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں۔ جاگیردار، سرمایہ دار اور رافضی' مرزائی پھر سے لیگ اور پی پی پی کو مالی سپورٹ دے رہے ہیں۔تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔احرار کو بھی اپنا رول ادا کرنا ہے۔ پہلے بھی ہمارے مخالفین کی رائے غلط تھی' اب بھی غلط ہے......فیصلہ اللہ کے ہاں ہوگا۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ برصغیر میں دینی انقلاب کے قیام اور حکومتِ الٰہیہ کے نفاذ کے داعی تھے۔انہوں نے اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم پر ایسے بہادر، جری، سچے کارکنوں اور رہنماؤں کو جمع کر لیا تھا جو صرف اللہ سے ڈرتے تھے۔شاہ جی اور اُن کے عظیم رفقاء کا ایک ہی عزم تھا کہ اس خطہ سے انگریزی اقتدار کا ٹاٹ ہمیشہ کے لیے لپیٹ دیا جائے۔آج ایک دنیا ان کے سچے اور کھرے کردار پر شاہد عدل ہے کہ انہوں نے اپنا قول اپنے عمل سے سچا کر دکھایا۔سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کی جماعت مجلس احرار اسلام کا ہر فرد شخصیت سازی، تقدس مآبی اور مفاد پرستی سے یکسر بے نیاز تھا۔انہوں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے کیا۔ان کی تمام توانائیاں اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے وقف تھیں۔شاہ جیؒ اور اُن کے مخلص رفقاء نے کبھی مفاہمت کے مورچہ میں بیٹھ کر اسلام کا نام نہیں لیا۔وہ تمام عمر کفر وشرک کے خلاف مزاحمت کے مورچہ میں بیٹھ کر جدوجہد کرتے رہے۔انہوں نے ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا۔ضمیر فروشوں، خوشامدیوں، آنریری مخبروں اور انگریز کے ٹاؤٹوں کو برسرِ میدان للکارا۔اُن کی للکار سے بزدلوں کے چہرے زرد ہو جاتے اور عشاق کا یہ قافلہ جس سمت بھی رواں ہوتا' غدار راستہ چھوڑ دیتے۔شاہ ولی اللہ سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری تک اس قافلے کے ہر فرد نے اپنے مفادات قربان کر کے مستقبل کے تحفظات سے بے پرواہ ہو کر اور گلشنِ دین کے تحفظ کے لیے مورچہ بند ہو کر عظیم جدوجہد کی ہے' وہ سب کے سب دین کے بے لوث سپاہی تھے۔مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دین، ملک اور قوم کی بے پناہ خدمت کی ہے۔احرار میں کوئی بھی دولت سے پیار کرنے والا نہیں تھا۔ جو دولت والا اس قافلۂ حریت میں شامل ہوا' اس نے اپنی دولت اور مفادات دین پر قربان کرنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی۔ ضیغم احرار شیخ حسام الدین مرحوم نے لاکھوں روپے کا کلیم چھوڑ کر اپنے کٹیا نما مکان میں رہنا پسند کیا۔مفکر احرار چودھری افضل حق نے زمینداری اور تھانیداری کو خیر باد کہہ کے جیل اور دکھوں بھری زندگی بسر کرنے میں راحت محسوس کی۔افضل حق کے گھر عید کے روز بھی کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تھا۔افضل حق اور تاج الدین انصاری کا مسکن دفتر احرار لاہور تھا دونوں نے یہیں موت کو لبیک کہا۔احرار کارکنوں کے دوش پر جنازے اٹھے اور میانی صاحب میں آسودۂ خاک ہوئے۔مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی فقر واستغناء کو زیب تن کئے رخصت ہوئے اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کرایہ کے کچے مکان سے رختِ سفر باندھا اور عقبٰی کو چلے گئے۔مولانا محمد گل شیر شہید نے کالا باغ اور دوسرے

جاگیرداروں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کے دلوں سے انسانوں کی غلامی کا مکروہ نظریہ نکال باہر پھینکا۔ اس جرم کی پاداش میں وہ جاگیرداروں کے ظلم کا شکار ہو کر شہید کر دیئے گئے۔ احسن عثمانی جیل میں تشدد کا شکار ہوئے اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ہزاروں احرار رضا کاروں کا خون حصول آزادی کی جدوجہد کی نذر رہوا۔

مفاد پرست سیاسی گداگر اور مفاہمت کر کے دولت سمیٹنے والے' شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند محمود حسن، عبید اللہ سندھی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام لینا چھوڑ دیں وہ ہرگز ان کے وارث نہیں۔ ہم ہی اپنے ان مایہ ناز اسلاف کے حقیقی وارث ہیں اور ہم ہی جو مفاد پرست مذہبی اجارہ داروں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ یہی ہمارے وارث اور حق ہونے کی سچی دلیل ہے۔ شاہ ولی اللہ سے عطاء اللہ شاہ بخاری تک اس قافلہ حق وصداقت کی تحریک کا ایک ہی اصول تھا کہ نفاذِ اسلام کے دو ہی راستے ہیں:

(۱) تبلیغ۔ (۲) جہاد۔ جب سے علماء نے ان راستوں کو چھوڑ کر مغربی جمہوری راستے کو اختیار کیا ہے وہ اپنا وقار بھی کھو چکے ہیں اور انتشار سے بھی دوچار ہوئے ہیں۔ آیئے بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کریں اپنے حق پرست اسلاف کے سچے جذبے کے امین بنیں اور متحد ہو کر صرف اور صرف نفاذِ دین کی جُہد مسلسل کا آغاز کریں اور بہارِ رفتہ کو پھر سے حیاتِ نو عطا کریں۔ یہی مجلس احرار اسلام کا نصب العین ہے۔ امیر شریعت کا پیغام ہے اور اسلاف کا کردار ہے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

☆ دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان ☆ 30 ر دسمبر 2004ء بروز جمعرات، بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

الداعی: سید محمد کفیل بخاری ناظم جامعہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان فون: 061-511961